محمد وسیم اختر مفتی

عمر فاروق رضی اللہ عنہ

[''سیر و سوانح'' کے زیر عنوان شائع ہونے والے مضامین ان کے فاضل مصنفین کی اپنی تحقیق پر مبنی ہوتے ہیں، ان سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

——— ۱۱ ———

سیرت و عہد

بابلیون کا پادری مقوقس کا خط لے کر حضرت عمرو کے پاس پہنچا۔ اس میں لکھا تھا: تم نے ایک مختصر فوج کے ساتھ ہمارے ملک پر حملہ کر رکھا ہے، دوسری طرف رومیوں کی اسلحہ سے لیس ایک بڑی فوج بھی تم سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہے۔ چند معتبر آدمی ہمارے پاس بھیج دو تاکہ جنگ و جدال سے پہلے ہم آپس میں بات چیت کر کے معاملات سلجھا سکیں۔ حضرت عمرو نے پادری کی سربراہی میں آنے والے وفد کو دو دن روک کر رکھا اور یہ جواب بھیجا کہ ہمارا قضیہ تین صورتوں ہی میں حل ہو سکتا ہے: ایک یہ کہ تم اسلام قبول کر کے ہمارے بھائی بن جاؤ، دوسری یہ کہ اگر اسلام نہ لانا چاہو تو جزیہ دے کر ہمارے زیرنگیں ہو جاؤ، تیسری صورت یہ ہے کہ ہم تمھارے ساتھ جہاد جاری رکھیں حتیٰ کہ اللہ ہمارے مابین فیصلہ کر دے۔ مقوقس نے پھر مذاکرات کی دعوت دی تو سیدنا عمرو بن عاص نے ۱۰ افراد کا ایک وفد اس کی طرف روانہ کیا۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ان میں شامل تھے، ان کا سیاہ رنگ اور بھاری بھر کم جسم دیکھ کر مقوقس بولا: اس مشکی کو پرے ہٹاؤ اور کوئی دوسرا آدمی مجھ سے بات کرے۔ سب نے ایک آواز

ہو کر کہا: انھی کا جواب ہماری راے ہو گی۔ عبادہ نے دنیا سے بے رغبتی اور شوق شہادت کا اظہار کیا تو مقوقس کو سمجھ نہ آیا۔ اس نے کہا: ہمیں احساس ہے کہ تم مشقت میں پڑے ہوئے ہو، اس لیے ہم تمھارے ساتھ صلح کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ تمھارا ہر سپاہی ہم سے ۲ دینار لے لے، تمھارے سالار کے لیے ہم ۱۰۰ دینار اور خلیفہ کے لیے ۱۰۰۰ دینار مقرر کرتے ہیں۔ یہ رقم لو اور روم کی افواج قاہرہ کے ہاتھوں پٹنے سے بچ جاؤ۔ عبادہ نے رومی جتھے کا ذکر حقارت سے کیا اور یہ آیت پڑھی: ’کَمۡ مِّنۡ فِئَةٍ قَلِيۡلَةٍ غَلَبَتۡ فِئَةً كَثِيۡرَةً بِاِذۡنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ‘، ”کتنے ہی تھوڑی تعداد رکھنے والے گروہ تھے جو اللہ کے حکم سے بڑے گروہوں پر غالب آ گئے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“ (البقرہ ۲: ۲۴۹)۔ انھوں نے حضرت عمرو کی ہدایت کے مطابق یہ پیش کش دہرائی: اسلام قبول کر لو، جزیہ دو یا جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ اور رخصت ہو لیے۔ مقوقس اور اس کے درباری بھی پل عبور کر کے قلعہ واپس چلے گئے۔ خود تو وہ مسلمانوں سے صلح کرنا چاہتا تھا، لیکن اس کے جرنیل مائل بہ جنگ رہے۔ تین دن کے بعد رومی فوج قلعے سے نکلی اور اسلامی فوج پر اچانک حملہ کر دیا۔ مسلمان غافل نہ تھے، سخت لڑائی ہوئی۔ رومیوں کو بھاری جانی نقصان اٹھانا پڑا اور وہ پھر قلعہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ اس موقع پر مقوقس نے قوم کو صلح پر آمادہ کر لیا اور حضرت عمرو بن عاص سے امان طلب کی۔ صلح کا ایک معاہدہ تیار کیا گیا جس کی رو سے ہر مصری پر ۲ دینار جزیہ عائد کیا گیا، بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو چھوٹ دی گئی، مصر کی اراضی، مال مویشیوں اور کنیسوں پر مصریوں کا حق تسلیم کیا گیا۔

مقوقس اس معاہدے کی منظوری لینے کے لیے ہرقل کے پاس پہنچا۔ یہ بازنطینی بادشاہ دمشق اور بیت المقدس میں مسلمانوں سے شکست کھا چکا تھا، اس کے باوجود حیران تھا کہ ۱۲ ہزار کی قلیل مسلم فوج نے مضبوط قلعوں میں محفوظ رومی فوجوں کو زیر کر لیا ہے۔ اس نے سارا الزام مقوقس پر دھر دیا اور اسے بزدل قرار دے کر ذلت کے ساتھ نکال باہر کیا۔ بابلیون میں صلح ختم ہونے کی اطلاع محرم ۲۰ھ (دسمبر ۶۴۰) میں پہنچی۔ تب دریاے نیل میں طغیانی ختم ہو چکی تھی، قلعے میں موجود فوج کی تعداد کم ہو چکی تھی اور اسے کہیں سے کمک پہنچ نہ پائی تھی۔ قلعے کے گرد کھدی خندق کا پانی خشک ہوا تو رومیوں نے اس میں آہنی خار ڈلوا دیے، اس طرح اسلامی فوج کی پیش قدمی مشکل ہو گئی تاہم فریقین کی جانب سے تیر اندازی اور سنگ باری ہوتی رہی۔ رومی جب بھی قلعے سے نکلنے کی کوشش کرتے، مسلمانوں کی یورش سے واپس ہونے پر مجبور ہو جاتے۔ موسم بہار گزر گیا، ۷ ماہ کے طویل محاصرے سے مسلمان تھک چکے تھے، قلعے کے اندر بھی کئی امراض پھوٹ پڑے تھے۔ ربیع الاول ۲۰ھ (مارچ ۶۴۱) میں، جبکہ دریاے نیل خشک ہو چکا تھا، ہرقل کی موت کی خبر پہنچی۔ مقوقس کو رسوا کرنے کے بعد اسے بخار نے آن لیا تھا۔ اسی مہینے کی ایک رات حضرت زبیر بن عوام

رضی اللہ عنہ نے قلعۂ بابلیون کی بیرونی خندق پھلانگ کر دیوار کے ساتھ سیڑھی لگائی اور اندر اتر گئے۔ کچھ سپاہی ان کے ساتھ تھے، انھوں نے قلعے کا دروازہ کھول دیا، اس طرح اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ قبطی رومیوں کے مظالم سے تنگ آئے ہوئے تھے، ان کے کئی افراد نے اسلام قبول کر لیا اور امور سلطنت میں اسلامی حکومت کے معاون بن گئے۔ اب حضرت عمرو بن عاص اس انتظار میں تھے کہ کب امیر المومنین عمر بن خطاب ان کو مصر کی آخری مہم فتح اسکندریہ کی اجازت دیتے ہیں۔ انھوں نے قلعہ اور جزیرۂ روضہ کے مابین اور جزیرہ اور جیزہ کے مابین کشتیوں کے پل بنوا دیے تاکہ دریاے نیل کو آسانی سے عبور کیا جا سکے۔ سیدنا عمر جانتے تھے کہ تین ماہ بعد دریا پھر چڑھ آئے گا، تب اسکندریہ جانا ممکن نہ ہو گا۔ انھوں نے اذن سفر دے دیا تو حضرت عمرو نے بابلیون میں مسلم چھاؤنی قائم کر کے حضرت خارجہ بن حذافہ کو اس کا انچارج مقرر کیا اور خود اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

ادھر ہرقل (Heraclius) کی موت کے بعد رومی دار السلطنت قسطنطنیہ میں اقتدار کی کش مکش شروع ہو گئی تھی۔ ہرقل کی دوسری بیوی مارٹینا (Martina) سریر سلطنت پر اپنے بیٹے ہریقلونس (Heraklonas) کو بٹھانا چاہتی تھی، جبکہ ہرقل اپنی وصیت میں اپنی پہلی بیوی فیبیہ یوڈوکیا(Fabia Eudokia) کے بیٹے قسطنطین ثالث (Constantine III)اور ہریقلونس، دونوں کو سلطنت کا وارث قرار دے چکا تھا۔ اپنے باپ کی وفات کے ۴ ماہ بعد ہی قسطنطین دق (Tuberculosis) میں مبتلا ہو کر چل بسا تو اس کی سوتیلی ماں مارٹینا پر اسے زہر دینے کا الزام لگایا گیا۔ ہرقل کا پوتا اور قسطنطین کا بیٹا قنسطانس ثانی (Constans II) ملکہ کے خلاف مہم میں پیش پیش تھا۔ اسے اپنے چچا ہریقلونس کے ساتھ شریک اقتدار کیا گیا تو یہ کشاکش اختتام کو پہنچی۔ تبھی وہ مسیحی وفد مصر روانہ کیا گیا جو قسطنطین نے مرنے سے پہلے ترتیب دیا تھا۔ رومن کیتھولک چرچ کا متنازع پیشوا کائرس (Cyrus) اس کا سربراہ تھا، کئی پادری اور ایک بڑی فوج اس کے ساتھ تھی۔ اس مذہبی مہم میں حصہ لینے والے رمضان ۲۰ھ (ستمبر ۶۴۱ء) میں ایک بڑے بحری بیڑے کے ذریعے سے مصری دار الخلافہ پہنچے تو مصر کے نجات دہندہ کے طور پر ان کا استقبال کیا گیا۔ الفریڈ بٹلر (Alfred Butler) کا خیال ہے کہ کائرس مسلمانوں سے صلح کا ارادہ رکھتا تھا، کیونکہ اسے اپنی فتح کی امید نہ تھی اور وہ صلح ہی میں عیسائی مذہب کا فائدہ سمجھتا تھا۔

اسلامی فوج نے جمادی الاولیٰ ۲۰ھ (مئی ۶۴۱ء) میں فاتح مصر حضرت عمرو بن عاص کی سربراہی میں بابلیون سے نکل کر دریاے نیل کے بائیں کنارے پر اپنا سفر شروع کیا۔ قبطی سرداروں کی ایک جماعت حضرت عمرو کے ساتھ تھی، انھی کے گائیڈ فوج کی راہ نمائی کر رہے تھے۔ حضرت ابن عاص کا ارادہ تھا کہ دائیں کنارے پر واقع قلعۂ نقیوس

پر قبضہ کیا جائے۔ قبل اس کے کہ وہ دریاے نیل عبور کرتے، طرنوط کے مقام پر ان کی رومیوں سے مڈ بھیڑ ہو گئی۔ ایک مختصر جنگ کے بعد دشمن فوج نے شکست کھائی۔ نقیوس کے عامل کی حکمت عملی تھی کہ اسلامی فوج کو دریاے نیل کی داہنی نہر پار کرنے سے روکا جائے، اس لیے وہ اپنی فوج کشتیوں پر سوار کرا کے شہر سے باہر نکل آیا۔ سیدنا عمرو نے رومی فوج کو کشتیوں سے اترنے کا موقع ہی نہ دیا۔ حاکم نقیوس کو یوں لگا، جیسے مسلمان نہر میں گھس کر اسے آن لیں گے۔ اس نے تیزی سے اپنے جہاز کا رخ اسکندریہ کی طرف موڑ دیا۔ فوجیوں نے اپنے سالار کو بھاگتے دیکھا تو ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، ان میں سے زیادہ تر مارے گئے۔ مسلمان شہر نقیوس میں بچنت داخل ہو گئے۔ قدیم مصری مورخ حنا نقیوسی اور اس کی متابعت میں Butler کا یہ الزام کہ اسلامی فوج نے گھروں اور کنیسوں میں داخل ہو کر عورتوں اور بچوں کو بھی قتل کیا، کسی طرح درست نہیں۔ اسلامی آداب حرب، ہتھیار ڈالنے والوں، عورتوں اور بچوں پر ہاتھ اٹھانے سے سختی سے منع کرتے ہیں۔ ایسا کرنا مسلمانوں کا کبھی شیوہ نہیں رہا اور عہد فاروقی میں ایسا ہونا تو ناممکن تھا کیونکہ سیدنا عمر اپنے عمال کی چھوٹی سی غلطی کا بھی سخت اور کڑا محاسبہ کرتے تھے۔

حضرت عمرو نے شریک بن سمی کی قیادت میں ایک دستہ اسکندریہ فرار ہونے والوں کے تعاقب میں بھیجا۔ جب انھوں نے دیکھا کہ وہ اپنے تھوڑے سے فوجیوں کے ساتھ اتنے بھگوڑوں پر غلبہ نہیں پا سکتے تو ایک ٹیلے پر پناہ لی اور مالک بن ناعمہ کو کمک لانے کے لیے نقیوس بھیجا۔ رومیوں کو اطلاع ملی کہ اسلامی فوج کو مدد آ رہی ہے تو وہ پھر سے فرار ہو گئے۔ اب پورا لشکر اس ٹیلے پر آن پہنچا جسے اب ''کوم شریک'' (شریک کا ٹیلہ) کہا جاتا ہے۔ اسی اثنا میں اطلاع ملی کہ ایک رومی پلٹن سُلطیس کے مقام پر جمع ہے۔ حضرت عمرو نے بھی اپنے جیش کے ساتھ سُلطیس کا رخ کیا۔ یہاں سخت لڑائی ہوئی، رومی فوج شکست کھا کر بھاگی تو دمنہور سمیت راستے کے کسی مقام پر نہ ٹھہری اور سیدھا اسکندریہ کے پاس کریون کے قلعوں میں جا پناہ لی۔ اسکندریہ میں موجود رومی کمانڈر ان چیف تھیوڈر شہر اسکندریہ کو محفوظ رکھنے کے لیے فوج کے ساتھ کریون کے قلعہ میں منتقل ہو گیا۔ اسے اطمینان تھا کہ قلعے کی مضبوط دیواریں مسلمانوں کی یورش روک لیں گی۔ اسلامی فوج کے کچھ افراد پچھلے معرکوں میں کام آ گئے تھے، کچھ کو مفتوحہ شہروں کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیا گیا، اس طرح اس کی اصل ۱۵ ہزار کی نفری برقرار نہ رہی تھی۔ تاریخ کے اوراق مزید فوج کی آمد کے ذکر سے خالی ہیں، تاہم محمد حسین ہیکل نے گمان کیا ہے کہ بصرہ و کوفہ اور شام کی چھاؤنیوں سے کچھ کمک ضرور پہنچی ہو گی اور ۲۰ ہزار کے قریب نفری کریون پہنچی ہو گی۔ کریون میں جنگ کا بازار گرم ہوا، کئی دن گزرنے کے بعد بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ مسلمانوں نے بڑی دلیری دکھائی، تب بھی رومی فوج کا پلڑا بھاری نظر آتا تھا۔ حالات ایسے تھے کہ حضرت عمرو بن

عاص کو صلوٰۃ خوف پڑھانا پڑی۔ اسی جنگ میں ان کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمرو شہید ہوئے۔ کہیں تیرھویں چودھویں دن رومی دفاع کمزور پڑا اور قلعۂ کریون مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

فتح کے بعد حضرت عمرو بن عاص نے کریون میں قیام نہ کیا، وہ جیش اسلامی لے کر فوراً اسکندریہ پہنچے، لیکن شہر کے دروازے ان پر وا نہ ہوئے، الٹا شہر پناہ پر سے منجنیقیں پتھر برسانے لگیں۔ اسکندریہ ایک محفوظ شہر تھا، اس کے شمال میں بحیرۂ روم موجیں مار رہا تھا، جنوب میں جھیل مریوط تھی اور مغرب میں نہر ثعبان بہ رہی تھی۔ اس جزیرہ نما کو صرف مشرق کی طرف سے رسائی ہو سکتی تھی، جہاں بلند و بالا قلعوں کی فصیلیں راستہ روکے کھڑی تھیں۔ اسلامی فوج ادھر ہی سے آئی تھی۔ اسکندریہ کی بندرگاہ اور تمام ساحلی مقامات رومی کنٹرول میں تھے، اس لیے محصوروں کو سمندر کی طرف سے ہر طرح کی مدد پہنچ رہی تھی۔ ۵۰ ہزار رومی شہر کی حفاظت پر مامور تھے۔ حضرت عمرو نے اپنی فوج کو منجنیقوں کی مار سے دور ٹھیرا دیا۔ قصر فاروس کے باہر فوج کو قیام کیے ۲ ماہ گزر گئے اور طرفین کی جانب سے کوئی جنبش نہ ہوئی۔ جب اسلامی لشکر حرکت کر کے مقس تک آیا تو جھیل کی طرف سے ایک رومی دستہ نکلا اور ۱۲ مسلمانوں کو شہید کر کے واپس لوٹ گیا، چھوٹی موٹی جھڑپیں بعد میں بھی ہوتی رہیں۔ حضرت عمرو نے اسکندریہ میں رہتے ہوئے مفتوحہ علاقوں پر اپنا تسلط برقرار رکھا۔ انھوں نے اپنی دھاک بٹھانے کے لیے کئی بار اپنے دستوں کو اطراف کے شہروں میں بھیجا۔ ساڑھے چار ماہ گزر گئے، محاصرہ لمبا اور بے ثمر ہو گیا تو مدینہ میں امیر المومنین عمر بن خطاب مضطرب ہو گئے۔ انھیں یہ فکر کھائے جا رہا تھا کہ کہیں ان کی فوج عیش دنیا میں پڑ کر سست نہ ہو گئی ہو۔ انھوں نے حضرت ابن عاص کو خط لکھا کہ اللہ تعالیٰ اسی قوم کی مدد کرتا ہے جو نیک نیت ہو۔ لوگوں کو صدق نیت اور صبر کے ساتھ جہاد کرنے پر انگیخت کرو۔ بروز جمعہ زوال کے وقت سب یک جان ہو کر حملہ کر دو۔ حضرت عمرو بن عاص بھی سوچ میں پڑے ہوئے تھے کہ شہر کو کیسے زیر کیا جائے۔ انھوں نے سپاہیوں کو حضرت عمر کا خط سنایا اور ۲ رکعت نفل ادا کر کے اللہ سے فتح کی دعا مانگنے کی تلقین کی۔ پھر خیال آیا کہ صحابہ ہی میں سے کوئی یہ مرحلہ سر کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت عبادہ بن صامت کو بلا کر کمان سونپی۔ ایک ہی روز کی سخت لڑائی کے بعد مسلمان شہر اسکندریہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ چند انفرادی واقعات کے سوا اس جنگ (۲۱ھ) کی کوئی تفصیل ہم تک نہیں پہنچی۔ اسکندریہ کے مرمریں ستون، عالی شان معابد و کنائس، شاہی محلات اور شان دار سڑکیں دیکھنے والوں کو مبہوت کر رہی تھیں۔ مسلم مورخین کے برعکس اے جے بٹلر (A J Butler) کا کہنا ہے: اسکندریہ کے محاصرے کے دوران میں اطراف کو جانے والی مہمات کی حضرت عمرو بن عاص خود کمان کرتے رہے۔ ایک بار وہ بابلیون میں تھے کہ کائرس (Cyrus) ان کے پاس پہنچا اور صلح کی

پیش کش کی۔ اسکندریہ کے باشندوں کو معلوم ہوا تو سخت ملامت کی اور اسے مارنے کے درپے ہوئے، لیکن اس نے اپنی مذہبی سیادت کی بنا پر انھیں قائل کر لیا اور جزیے کی پہلی قسط اور کچھ اضافی سونا جمع کر کے خود حضرت عمرو کے حوالے کیا۔ بٹلر کے اس اختراع ذہنی کی کوئی تاریخی سند نہیں پائی جاتی۔ حضرت عمرو بن عاص نے حضرت معاویہ بن حدیج کو فتح کی بشارت دے کر مدینہ بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً اذان دلائی، اہل ایمان کو جمع کر کے خوش خبری سنائی اور نماز شکرانہ ادا کی۔

شکست کے بعد رومی سمندر کی طرف سے فرار ہو گئے، کچھ سرزمین مصر میں پھیل گئے۔ مقوقس نے اسکندریہ نہ چھوڑا، وہ اپنے محل میں مقیم رہا، ربیع الاول ۲۱ھ (مارچ ۶۴۲) میں یہیں فوت ہوا اور اسی شہر میں دفن ہوا۔ سقوط اسکندریہ کے بعد مصر کے اکثر شہروں کے دروازے مسلمانوں کے لیے کھل گئے۔ بحیرۂ روم کے ساحل کے قریب واقع شہروں اخنا، بلہیب، برلس، دمیاط اور تنیس میں رومی چھاؤنیاں تھیں، اس لیے مسلمانوں کے قبضے میں نہ آئے۔ حضرت عمرو نے کچھ دستے ان کی طرف بھیجے تو وہاں کے باشندگان نے مصالحت کر لی۔ صرف اہل تنّیس نے مزاحمت دکھائی اور بزور جنگ زیر ہوئے۔ برقہ اور طرابلس میں بھی رومی فوجیں موجود تھیں جو جیش اسلامی پر حملہ کرنے کے لیے مناسب موقع کے انتظار میں تھیں۔ حضرت ابن عاص خود فوج لے کر وہاں گئے، سکان برقہ نے جلد صلح کر لی، رومیوں کی ایک کثیر تعداد نے اسلام قبول کر لیا اور باقیوں نے ۱۳ ہزار دینار سالانہ جزیہ دینا مانا۔ اب (۲۲ھ میں) حضرت عمرو کا رخ طرابلس کے ساحلی شہر کی طرف تھا۔ وہاں کے باشندگان قلعہ بند ہو کر سمندر کی جانب سے مدد آنے کا انتظار کرنے لگے، کئی ہفتے گزر گئے، ان کو کمک نہ آئی۔ اسی اثنا میں مسلمانوں کو اطلاع ملی کہ سمندر کی جانب شہر کے گرد کوئی فصیل نہیں۔ ان کی ایک جماعت اس طرف گئی اور نعرۂ تکبیر بلند کیا، رومی شتابی سے جہازوں پر بیٹھ کر فرار ہو گئے۔ طرابلس کا دروازہ کھل گیا اور اسلامی فوج حضرت عمرو کی سربراہی میں اندر داخل ہو گئی۔

اس مرحلے پر جبکہ مصر کاملاً اسلامی سلطنت کا حصہ بن چکا تھا، حضرت عمرو بن عاص نے خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن خطاب سے تیونس اور شمالی افریقہ میں پیش قدمی کرنے کی اجازت مانگی۔ ان کی طرف سے انکار ہوا تو وہ واپس برقہ آئے، جہاں بربر قبائل نے ان سے معاہدۂ صلح کیا۔ وہ مصر کی جنوبی سرحدوں کو محفوظ دیکھنا چاہتے تھے، اس لیے حضرت عقبہ بن نافع کی قیادت میں ایک مہم پڑوسی شہر نوبہ کی طرف بھیجی۔ وہاں کے لوگ ماہر تیر انداز تھے، سیدھا آنکھ کی پتلی کا نشانہ لے کر آنکھ پھوڑ دیتے تھے۔ سخت قتال کے بعد بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا تو سرحدی جھڑپیں جاری رہیں، حتیٰ کہ خلیفۂ ثالث حضرت عثمان کے عہد میں ان سے معاہدۂ صلح طے پایا۔

جنگ وقتال سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عمرو نے اہل مصر کے لیے امان عامہ کا اعلان کیا۔ انھوں نے تمام ظالمانہ ٹیکس ختم کر دیے اور کہا: کسی کو زبردستی مسلمان نہ بنایا جائے گا۔ ایک فوجی جرنیل کے بجائے اب مدبر سیاست دان کا رول ان کے سامنے تھا۔ انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اسلامی حکومت کا دار الخلافہ مقرر کرنے کی درخواست کی۔ حضرت عمر نے ایک اصولی حکم دے کر فیصلہ حضرت عمرو پر چھوڑ دیا: میں نہیں چاہتا کہ تم ایسی جگہ ٹھکانا بناؤ، جہاں میرے اور مسلمانوں کے بیچ سردیوں یا گرمیوں میں دریاے نیل حائل ہو جائے۔ اس اصول کی روشنی میں حضرت عمرو کو فسطاط سے بہتر کوئی جگہ نظر نہ آئی، یہ فراعنہ کے قدیم دار الحکومت منف اور قلعۂ بابلیون کے قریب دریاے نیل پر واقع تھا۔ یہاں سے مدینہ جانے کے لیے دریاے نیل پار نہیں کرنا پڑتا۔ بابلیون کے محاصرے کے دوران میں حضرت عمرو نے یہاں ایک خیمہ (یا فسطاط) نصب کر رکھا تھا۔ جب قلعہ فتح ہو گیا تو انھوں نے خیمہ اکھاڑنے کا حکم دیا۔ جب انھیں نظر آیا کہ ایک جنگلی کبوتری نے اس میں انڈے دے رکھے ہیں تو اسے قائم رہنے دیا اور قلعے کی نگرانی کرنے والوں کو بھی ہدایت کی کہ خیمہ نہ اکھاڑا جائے۔ اب حضرت عمرو نے خیمے والی جگہ کو مسجد بنا دیا اور آس پاس مسلمانوں کو اپنے گھر تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ انھوں نے مسجد کے پاس ایک گھر امیر المومنین کے لیے بھی بنوایا اور ان کو اطلاع بھیجی۔ حضرت عمر نے جواب بھیجا کہ حجاز میں رہنے والے شخص کا کیا کام کہ وہ مصر میں گھر بنائے؟ اسے مسلمانوں کے بازار میں تبدیل کر دو۔ انھوں نے شدید غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ مسجد میں جو منبر تم نے بنوایا ہے، وہ مسلمان نمازیوں کی گردنوں سے بھی بلند ہے، اسے فوراً تڑوا دو۔ تمھارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ کھڑے ہو کر خطبہ دو اور نمازی تمھاری ایڑیوں سے نیچے ہوں۔

حضرت عمرو بن عاص نے لارڈ بشپ بنیامین کو دعوت دی کہ وہ مصر لوٹ آئیں۔ وہ رومی حکام اور کائرس کے مظالم سے تنگ آ کر صحرا میں روپوش ہو چکے تھے۔ جب وہ اپنے قبطی عقیدت مندوں میں لوٹ آئے تو ان میں فرحت کی لہر دوڑ گئی۔

مطالعۂ مزید: تاریخ الامم والملوک (طبری)؛ الکامل فی التاریخ (ابن اثیر)؛ فتوح البلدان (بلاذری)؛ الفاروق عمر (محمد حسین ہیکل)؛ تاریخ اسلام (شاہ معین الدین ندوی)؛ The Arab Conquest of Egypt and the last thirty years of Roman dominian (Alfred J Butler)

[باقی]